ĪQĀN (9) Vol. 05, No. 01, Dec-2022

eISSN: 2617-3336
pISSN: 2617-3700

# مطالعہ مسیحیت میں سر سید احمد خاں کا تفسیری منہج و اسلوب (تفسیر القرآن کے حوالے سے اختصاصی مطالعہ)

# Sir Syed Ahmed Khan's Exegesis in The Study of Christianity (Specific reading of Tafsir-ul-Quran)

**Samreen Akram**[1] < samreenakram97@gmail.com >
**Professor Dr. Humayun Abbas Shams**[2] < drhumayunabbas@gcuf.edu.pk >
[1]*Ph.D. Scholar, GC University Faisalabad*
[2]*Dean Islamic and Oriental Learning Islamic Studies*

## ABSTRACT

Sir Syed Ahmad khan (1817 - 1898) was a great reformer, educationist and revolutionary Muslim leader of the Sub-continent. After 1857, the War of Independence, he realized the dangers faced by the Muslims of the subcontinent in a timely manner and tried to make the Muslims aware and get rid of them. He urged Muslims to get modern education and for this, he founded the Aligarh School. He had great efforts for interfaith dialogue among religions, especially between Islam and Christianity. He also answered Sir William Muir's (1905) criticism on Prophet Muhammad (peace be upon him) in an effective and very beautiful way. Moreover, he introduced a new discrimination interpretation of the Quran in his incomplete "Tafsir-ul-Quran". Sir Syed Ahmad khan used a serious critique way of Christianity. He presented Tafsir in opposition to Christian doctrines and promoted rationalist tendencies in it adopted an apologetic Style and promoted a method based on suffering and moderation for dissent.

Received: 09-Dec-22
Accepted: 03-Jan-23
Online: 05-Jan-23

**KEYWORDS**
Interpretation, Revolutionary, doctrine, dialogue, apologetic, Tafsir-ul-Quran, Critique

برصغیر کے انگریز عہد حکومت (۱۸۵۷ء۔۱۹۴۷ء) میں اسلام تہذیبی و سیاسی اور علمی و فکری حالات کے خطرات سے گھرا ہوا تھا۔ مشرکین، یہودی اور عیسائی شروع سے ہی اسلام اور مسلمانوں کو اپنا مخالف سمجھتے تھے، اور اس دشمنی کا اظہار وہ مختلف طریقوں سے کرتے رہتے تھے مسیحی پادری، اخبارات و رسائل اور تالیفات کے ذریعے اسلامی تعلیمات کی طرح طرح سے برائیاں کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے تعلیمی اداروں کو خاص طور پر نشانہ بنایا۔ اس کے بعد انھوں نے مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی شروع کی انگریز حکومت کی طرف مشن کے پادریوں کو مذہبی سرپرستی حاصل تھی جس کی وجہ سے عیسائی تبلیغ میں زبردست قسم کی

CC BY

جارحیت پائی جاتی تھی۔ اور مسلمانوں کے مذہبی عقائد پر پابندیاں عائد ہو رہی تھی صورت حال کا سامنا کرنے اور عیسائی مشنریوں کی ان برائیوں کو روکنے کے لیے علماء اسلام کی جماعت نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے عیسائیت کے اصل مآخذ و مصادر کا تجزیہ کر کے عیسائی مشنریز کے حملوں کا نہ صرف جواب دیا۔ بلکہ ان علماء نے قرآن وحدیث، کتب ساویہ اور عقلی دلائل کی مدد سے عقائد و تعلیمات سے اسلام کا دفاع کیا۔ اس طرح سے مناظراتی لٹریچر وجود میں آیا۔ ان چند اہم شخصیات میں سب سے نمایاں نام سر سید احمد خاں کا ہے۔

سر سید احمد خاں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا جواد الدولہ سید ہادی شاہ عالم کے زمانے میں صوبہ شاہجہاں آباد کے محتسب اور قاضی شکر تھے۔ وہ مشہور نقشبندی بزرگ شاہ غلام علی کے مرید تھے۔ لیکن آپ کی تربیت پر آپ کی والدہ کا زیادہ اثر تھا جو بڑی دانشمند اور دور اندیش خاتون تھیں۔

سر سید کی ابتدائی اثرات میں سے دو باتیں خاص طور پر نمایاں ہیں، ایک ان کی ننھیال کے طور طریقے اور دوسرے ان کا مذہبی ماحول۔ سر سید نے دونوں سے فیض حاصل کیا۔[1]

سر سید کو اللہ نے بڑی فہم و فراست دی تھی۔ سر سید نہ صرف ایک عظیم مفکر اور مفسر تھے بلکہ وہ برصغیر میں ایک انقلابی لیڈر کی حیثیت بھی تھے۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بہت سی خدمات سر انجام دیں، انہوں نے بہت سے ادارے بھی متعارف کروائے، جن میں کالج، یونیورسٹی اور نئی متفرق تحریکیں بھی چلائیں اور سب سے بڑھ کر انہوں نے مسلم سائنٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔

انیسویں صدی میں بالخصوص جنگ آزادی کے بعد ہندوستان میں اسلام کو تین خطرے درپیش تھے:

1. پہلا خطرہ مشنریوں کی طرف سے تھا جو اس امید پر تھے کہ مسلمانوں کے اب سیاسی زوال کے ساتھ ہی ان کا مذہبی انحطاط شروع ہو جائے گا اور وہ عیسائیت کو قبول کر لیں گے۔
2. دوسرا خطرہ یہ تھا، جس کے بارے میں بقولِ سر سید "مر جانے کو جی چاہتا تھا، یہ لوگ اسلام کو عقل، اخلاق اور انسانی ترقی کا دشمن ثابت کر رہے تھے"۔ ان میں صرف عیسائی مشنری ہی شامل نہ تھے بلکہ مستشرقین بھی شامل تھے۔
3. تیسرا بڑا خطرہ خود مسلمانوں میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا تھا۔ جن لوگوں کی نظروں سے عیسائی مصنفین مشنریوں اور آزاد خیال مغربی مفکرین کی کتابیں گزرتی اور جو مسائل مسلم علماء بیان کرتے تھے ان کو خلاف عقل سمجھنے لگے اور انہیں یہ ڈر لگنے لگا کہ اگر وہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار نہیں کریں گے، تو مذہب سے بیگانہ ضرور ہو جائیں گے۔

اس کے بارے میں سر سید خود لکھتے ہیں:

---

[1] شیخ محمد اکرم، **موج کوثر**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، اکتوبر ۲۰۲۱ء)، ص ۶۸۔۶۹.

"کہ اگر خدا مجھے ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقات حقیقت پر نہ متوجہ ہوتا تو یقینی مذہب چھوڑ دیتا"[1]

یہاں سرسید کے مقام و مرتبہ مذہنی و سیاسی اور ملی خدمات سے قطع نظر مسیحیت کے بارے میں ان کے منہج و اسلوب کا جائزہ لینا ہے جو انہوں نے اپنی کتب اور خاص طور پر "تفسیر القرآن الکریم" میں اختیار کیا ہے۔

## مسیحیت سے متعلقہ مواد سرسید کی درج ذیل کتب میں ہے

سرسید کی مسیحیت پر اہم تصانیف درج ذیل کتب شامل ہیں:

1. تبیین الکلام
2. تحقیق لفظ نصاریٰ
3. رسالہ احکام اطعام اھل اللکتاب
4. خطبات احمدیہ
5. تفسیر القرآن

ان سب میں سرسید احمد خاں نے سنجیدہ نقد کیا۔ سرسید کی مذہبی تصنیفات کا مقصد مشنریوں کے مقابلے سے زیادہ ان اعتراضات کی تردید تھا جو "سرولیم میور" نے اور دوسرے مغربی مصنفین اور خود مشنری اسلام پر کیا کرتے تھے۔

### 1 تبیین الکلام:

سرسید کی طرف سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان آپسی منافرت کو ختم کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اس میں کرنے کی ایک کوشش تھی جو کہ دونوں قوموں کے درمیان اور دلوں میں روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ اس تفسیر کو شروع کرنے سے پہلے سرسید نے دس مقدمے لکھے اور پھر سرسید کی تفسیر اس طرح سے کرنی شروع کی۔ کہ اگر موجودہ اناجیل کا جائزہ لیا جائے

تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت کے متعلق وہی عقائد اخذ ہوں گے جن کو اسلام صحیح مانتا ہے۔[2]

سرسید کے فکر و شعور کا محور یہ تھا کہ حق تمام الہامی مذاہب میں موجود ہے سرسید نے تبیین الکلام کے بارے میں جان آرنلڈ کو لکھتے ہیں۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۳۱.

[2] الطاف حسین حالی، **حیات جاوید**، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۷ء)، ج ۱، ص ۱۶۹۔ ۱۷۱.

cc BY

"عیسائی میری تفسیر سے خوش نہیں ہو سکتے کیونکہ جس طرح میں انجیل کی تعلیم کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں اسی طرح تثلیث کے مسئلہ کا قائل نہیں ہوں۔ اس لیے میں انجیل میں اس مسئلہ کی تائید یا وجود نہیں پاتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ مذہب اسلام صحیح ہے اور اس کی صحت اور وجود دونوں انجیل سے ثابت ہیں۔ اس لیے مجھے پروا نہیں کہ میں کسی گروہ کے خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی، خوش کروں۔ میں حق پر ہوں اور اس خدا کو خوش کرنا چاہتا ہوں جس کے روبرو سب کو ایک دن جانا ہے۔ البتہ میری یہ خواہش ہی ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں محبت پیدا ہو کیونکہ قرآن مجید کے موافق اگر کوئی فرقہ ہمارا دوست ہو سکتا ہے تو وہ عیسائی ہیں۔"[1]

سرسید نے اس میں خصوصا مسلم اور مسیحی عقائد کے درمیان ہم آہنگی اور مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً متی ۱:۱۸ (یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں (مریم) یوسف سے منسوب ہوئی، اس سے قبل کہ وہ ہم بستر ہو وہ روح قدس سے حاملہ پائی گئی) کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

### 2 رسالہ احکام طعام:

اس رسالہ میں سرسید کی رائے میں قرآن مجید اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اہل کتاب کے کھانے اور ان کے یہاں کا ذبیحہ مسلمان کھا سکتے ہیں۔ سرسید نے سورۃ المائدۃ کی آیت ۵ سے اس اجازت کو اخذ کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ تمہارے لیے ساری پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا اہل کتاب کے لیے حلال ہے۔[2]

### 3 تحقیق لفظ نصاریٰ:

سرسید کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی بعض تحریریں ایامِ غدر کی ایسی پیش ہوئیں جن میں نصاریٰ کی تعبیر پر مسلمانوں کو زبردست سزائیں دی جارہی ہیں تو اسی وجہ سے سرسید نے ایک اس غلطی کو رفع کرنے کے لیے ایک رسالہ نکالا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا لفظ ناصرہ سے مشتق نہیں بلکہ نصر سے مشتق ہے۔ اور مسلمانوں کے ہاں بھی یہی ہے کیوں کہ قرآن سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اس کو نصر سے مشتق سمجھتے ہیں، نہ کہ "ناصرہ" سے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

---

[1] ایضاً، ج ا، ص ۱۷۳۔

[2] ڈاکٹر عطا خورشید، **سرسید احمد خان موضوعاتی وضاحتی کتابیات**، (علی گڑھ: علی گڑھ ہیریٹیج پبلیکیشنز، 2019ء)، ص ۲۷۔

cc BY

" مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ "[1]

"کون میں اللہ کی راہ میں مدد گار ہے۔"

تو حواریوں نے کہا:

" نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ " [2]

"ہم اللہ کی خاطر آپ کی مدد کریں گے"

اس لیے حواریوں کی پیروی کرنے والے اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو اسی صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں بیان ہوا ہے:

"یعنی "اے محمد! (ﷺ) تو پائے گا اہل کتاب میں سب سے زیادہ مسلمانوں کو دوست ان کو جن کا قول ہے کہ ہم نصاریٰ ہیں۔"[3]

### 4 خطبات احمدیہ:

" تبیین الکلام "کی تفسیر کے بعد ۱۸۸۷ء میں "خطبات احمدیہ "شائع ہوئی جو کہ مسیحی مصنف "سر ولیم میور "کی کتاب" The Life of Mehmat "کے جواب میں لکھی گئی، اس کتاب میں سر سید کا تطبیقی اسلوب کی بجائے الزامی اسلوب سامنے آیا۔ مثلاً اسلام کے خلاف سر ولیم میور کے الزامات کے محاذوں میں خاص محاذ ازواج کے رواج کا تھا۔ جس میں اولاً نبی کریم ﷺ کی کثرتِ ازواج، ثانیاً اسلام میں اجازتِ تعدد ازدواج اور ثالثاً اسلام میں اجازت طلاق کو نشانہ بنایا گیا تھا۔

اس میں سر سید نے یہود و نصاریٰ دونوں کے نزدیک جو الہامی کتابیں ہیں ان میں کثرت ازواج کی صرف اجازت دی ہے بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کثرت ازواج کے پہلو پر یہ بات ثابت کی گئی کہ کثرت ازواج کا معاملہ کسی بھی نبی کے نبوت پر فائز ہونے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔ کثرت ازواج کے معاملے میں سر سید نے تین پہلوؤں میں جواب دیا ہے:

"قانون فطرت کے لحاظ سے، معاشرتی سطح پر اس کے صحیح اور غلط استعمال سے اور تیسرے اس کی مذہبی ادغانی حیثیت سے۔ انہیں اس میں کوئی حیاتیاتی نقص نظر نہیں آتا جو تعدد ازدواج کی اجازت اور اس پر عمل پیرا ہونے میں قانون فطرت کے خلاف ہو۔ کیونکہ مرد قدرتاً مختلف عورتوں کو حاملہ کرنے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔ معاشرتی مسئلہ کی حیثیت سے ان کا ادغانہ ہے کہ

---

[1] آل عمران: ۵۲.

[2] ایضاً.

[3] مولانا الطاف حسین حالی، **حیات جاوید**، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۷ء)، ج ۱، ص ۱۶۱۔۱۶۲.

CC BY

بعض معاشروں میں عقدِ ثانی کے گناہ کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ خواہ وہ پہلی منکوحہ کو طلاق دینے کے بعد ہو، خواہ بلا طلاق دے۔ مؤخر الذکر کے نفسیاتی یا جذباتی مفادات کے لیے نہیں بلکہ محض اس کے معاشی تحفظ کے لیے اقدام ضروری ہے۔"[1]

آخر میں مذہبی اعتبار سے سرسید اس مسئلے پر نظر ڈالتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ اسلام نے تمام مذاہب سے بڑھ کر تعدد ازدواج کو روکا ہے اور نہایت ہی محدود اور اشد ضروری حالتوں میں بڑی شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔[2]

## 5 تفسیر القرآن:

سرسید جدید رجحانات اور سیاسی دلائل کے ساتھ قرآن کی تفسیر لکھنا چاہتے تھے کیونکہ معترضین سرسید کے ردّ میں قرآنی آیات پیش کرتے تھے چونکہ سرسید ہر ایک کو فرداً فرداً جواب نہیں دے سکتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے نظریات کی وضاحت کے لیے ایک تفسیر لکھنی مناسب سمجھی، جو کہ ایک نامکمل تفسیر ہے۔ اس طرح سرسید کی تفسیر لکھنے کے دو اہم مقصد متعین ہوتے ہیں:

1. جدید علوم سے متاثر طبقہ کے سامنے قرآن کو اس طرح پیش کیا جائے کہ قرآن اور علوم میں تطبیق ثابت ہو جائے۔
2. قرآن میں کوئی بھی بات علم و حکمت، عقلِ سلیم اور قانونِ فطرت کے خلاف نہیں۔

انہی مقاصد کے حصول کے لیے سرسید نے تفسیر لکھی، جس میں انہوں نے جابجا ٹھوکریں کھائیں، جس کا اعتراف انہوں نے خود بھی کیا ہے اور کہا ہے:

"میں نہیں کہتا کہ جو کچھ میری تحقیقات ہے وہی صحیح ہیں مگر جب مجھ کو بجز اس کے جو کچھ بھی مجھ سے ہو سکے وہ کروں اور کچھ چارہ کار نہ تھا تو مجھ کو ضرور وہی کرنا تھا جو میں نے کیا یا کرتا ہوں۔ میری نیت خالص خدا کے ساتھ ہے۔ اگر میں نے بہتر کیا ہے تو وہ چاہے گا تو معاف کرے گا۔ چاہے گا نہ کرے گا۔ اگر میں نے اچھا کیا، تو میں اس کا صلہ کبھی بندے سے نہیں چاہتا۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا آئندہ ہو گی۔ خدا سے مجھے امید ہے، کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا۔"[3]

سرسید کی نامکمل تفسیر ابتدائی سولہ پاروں (یعنی ابتدائی ۲۰ سورتوں) پر مشتمل ہے۔ ہر جلد میں جب سورتوں کی تفسیر شامل ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

جلد اوّل (۱۸۸۰ء) سورۃ الفاتحۃ، سورۃ البقرۃ (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس)

---

[1] پروفیسر عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی جدیدیت**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1997ء)، ص ۸۳۔۸۴.

[2] محمد عمر الدین، **سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرزِ فکر**، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1995ء)، ص ۳۱۔۳۲.

[3] محمد اسماعیل پانی پتی، **خطبات سرسید**، (لاہور: مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۷۳ء)، ص ۵۰۹.

جلد دوم (۱۸۸۲ء) سورۃ آل عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ

جلد سوم (۱۸۸۵ء) سورۃ الانعام، سورۃ الأعراف

جلد چہارم (۱۸۸۸ء) سورۃ الانفال، سورۃ التوبۃ، سورۃ یونس

جلد پنجم (۱۸۹۲ء) سورۃ ھود، سورۃ یوسف، سورۃ الرعد، سورۃ ابراہیم، سورۃ الحجر، سورۃ النحل

جلد ششم (۱۸۹۵ء) سورۃ بنی اسرائیل

جلد ہفتم (۱۹۰۴ء) سورۃ الکہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ

اس سلسلے میں مزید ایک جلد کا اضافہ سرسید کے آخری دور میں لکھے گئے وہ مضامین جو کہ تہذیب الاخلاق میں شائع ہو رہے تھے، اس میں آخری دور کے متفرق تفسیری مضامین کو یکجا کر کے انہیں "تفسیر القرآن" جلد ہشتم (۱۹۲۹ء) کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ [1]

سرسید کی تفسیر "تفسیر بالرائے" ہے لیکن بعض مقامات پر وہ تفسیر بالماثور کے اصول کو بھی اپناتے ہیں اور آیات کی تفسیر آیات سے ہی کرتے ہیں اور کہیں اپنی رائے کے حق میں روایات و آثار سے بھی استدلات پیش کرتے ہیں۔ وہ تاریخ، علم الکلام و فلسفہ اور کتب تفسیر سے بھی اخذ کرتے ہیں۔ لغت میں وہ "فقہ اللغۃ"، "الصحاح" اور "لسان العرب" سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ کلامی اور فلسفی مباحث میں وہ "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی"، "شیخ اکبر محی الدین ابن العربی"، "ابن ابی سینا"، "مجدد الف ثانی شیخ احمد سرھندی"، "ابن رشد"، "میر سید شریف الجرجانی" کی کتب کو بھی مطالعہ میں لاتے ہیں۔ تاریخ سرسید نے زیادہ تر "ابن ھشام" اور "ابن اثیر الجزری" کو بطور ماخذ استعمال کیا

ہے۔

اس کے علاوہ عربی مصادر میں تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل، تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر بیضاوی، کشف الاسرار، مجمع البیان اور تفسیر ابن عباس سے بھی اخذ و استفادہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ سرسید نے مسیحیت اور علمِ اقوام کے درمیان مفاہمت راہ کو اختیار کرنے کی سعی کی ہے، اس لیے انہوں نے جابجا بائبل اور مسیحی مصادر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ سرسید تورات اور انجیل میں لفظی تحریف کے قائل نہ تھے۔

احادیث کی کتابوں میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، کتاب الموالی، مشکوٰۃ المصابیح، الخبر الجاری، عمدۃ القاری، فتح الباری، الکواکب الدری سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اصولِ حدیث کی کتابوں میں سے الفیۃ الحدیث (حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی، ۷۲۵۔۸۰۶)۔ کتب سیرت نبوی میں سے خاص طور پر تفسیر میں غزوات کی بحث

[1] ڈاکٹر عطا خورشید، **سرسید احمد خان موضوعاتی موضوعاتی کتابیات**، ج ۱، ص ۲۹۔۳۰۔

cc BY

کے لیے زاد المعاد، سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ھشام، السیرۃ المحمدیۃ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، کتاب المغازی، المواھب اللدنیۃ، اور اس کے علاوہ کتب تراجم میں سے:

کتب تراجم صحابہ میں الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ اور علم نحو و بلاغت میں الاقتراح، الفیۃ ابن مالک، خزانۃ الادب، کتاب الایضاح فی علوم البلاغۃ، علم لغت میں تاج العروس، درۃ الغواص فی اوھام الخواص، شرح درۃ الغواص، الصحاح، فقہ اللغۃ و سر العربیۃ، القاموس المحیط، لسان العرب، لغات القرآن، محیط المحیط شامل ہیں۔

علم تاریخ القرآن میں اقوام سابقہ کے تناظر میں الاثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، الاثر الجلیل لقدماء وادی النیل، تاریخ الرسل والملوک، تاریخ مختصر الدول، الکامل فی التاریخ، کتاب اخبار مکہ، المختصر فی اخبات البشر، مراۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، تاریخ یعقوبی، تاریخ ابن کثیر (البدایۃ والنھایۃ) وغیرہ۔ اس کے علاوہ تاریخی کتب سے انہوں نے استفافہ زیادہ تر کہف اور اصحاب کہف سے متعلق مباحث کے لیے کیا ہے۔

"فنِ جغرافیہ" کے لیے جس میں کیونکہ قرآن کی جغرافیائی تصورات کی وضاحت کے لیے ان کا مطالعہ ضروری تھا ان میں آثار البلاد و اخبار العباد، فتوح البلدان، مراصد الاطلاع دی اسماء الامکنۃ والبقاع، المشترک وضعاد المفترق صـ عقا، معجم البلدان، جبکہ فلسفہ اور علم الکلام کے حوالے سے الاشارات والتنبیہات، الیصـ ہمات الالٰہیۃ، حجۃ اللہ البالغۃ، شرح مواقف، کتاب العقل والنقل، کتاب فصل المقال و تقریر مابین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال، کتاب الکشـ ف عن المناھج الادلۃ فی العقائد الملۃ وتعرید ماوقع فیھا بحسب التاویل من الشـ بۃ المزیفۃ والبلاغ المظلۃ۔[1]

مذکورہ بالا مصادر سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید نے اپنی تفسیر کتنے وسیع اور گہرے مطالعہ کے بعد لکھی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اپنے تفردات میں تنہا نہیں ہے بلکہ علمائے اسلام کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہے۔

سرسید نے اپنی قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہوے یہ طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ پہلے سورۃ کا متن، نیچے ترجمہ اور پھر تفسیر بیان کی ہے۔ انہوں نے "التحریر فی اصول" کے نام سے اپنی تفسیر کے پندرہ اصول بیان کئے ہیں اور تمام تفسیر اصولوں کی روشنی میں کی ہے۔

کلام الٰہی کو "Word of God" اور فعلِ الٰہی Work of God ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں فطرت Nature فعلِ الٰہی ہے اور قرآن مجید کا کلام کلام الٰہی Word of God۔ چنانچہ فطرت اور کلام الٰہی ایک دوسرے سے قطعی ہم آہنگ ہیں۔[2]

---

[1] محمد یسین مظہر صدیقی، **سرسید اور علوم اسلامیہ**، (لاہور: گنج شکر پریس، ۲۰۰۰ء)، ص ۱۸-۵۸.

[2] ایضاً، ص ۷.

cc BY

**ہستی وصفات باری تعالیٰ:**

سر سید احمد خان کے مطابق فطرت اور قوانین فطرت کو عقلی بنیادوں پر سمجھے بغیر ہستی باری تعالیٰ کا ادراک ممکن نہیں۔ سر سید ''تہذیب الاخلاق'' میں لکھتے ہیں:

''خدا نے ہم کو، ہماری جان کو، ہماری سمجھ کو، ہمارے قیاس کو، ہمارے دماغ کو، ہمارے روئیں روئیں کو نیچر سے جکڑ دیا ہے۔ ہمارے چاروں طرف نیچر ہی نیچر پھیلا دیا ہے۔ نیچر کو ہم دیکھتے ہیں، نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہیں، نیچر ہی سے خدا کو پہنچانتے ہیں۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**'' فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ''**[2]

ایک موقع پر سر سید نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

''اگر مجھے زمانے کی ضرورت مجبور نہ کرتی تو میں کبھی بھی اپنے خیالات کو ظاہر نہ کرتا۔ بلکہ لکھ کر ایک لوہے کہ صندوق میں بند کر کے چھوڑ جاتا اور لکھ جاتا کہ جب تک ایسا زمانہ نہ آئے۔ اس کو کوئی کھول کر نہ دیکھے، سر دستِ عام لوگوں میں اس کا شائع ہونا اچھا نہیں۔''[3]

اصل میں وہ قرآن کی تفسیر کر کے یہ دکھانا چاہتے تھے کہ قرآن علوم جدیدہ کا مخالف نہیں ہے بلکہ اس کے تمام تر بیانات فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اس تفسیر کی چند اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

**ا۔ تقابلی مطالعہ:**

اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں گذشتہ اقوام کے حالات کا ذکر کیا ہے لیکن بائبل میں ان کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اس تفسیر میں سر سید نے اجمالی طور پر گذشتہ قوموں کے حالات درج کئے ہیں۔ بہت سے مقامات پر بائبل سے وہ واقعات ملتے ہیں، لیکن کچھ جگہوں پر اختلاف بھی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۶ ۔ ۲۵۱ میں طالوت کی سپہ سالای میں بنو اسرائیل کے اپنے دشمنوں سے جنگ کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ لیکن یہی واقعہ بائبل (کتاب سموئیل) میں بھی آیا ہے مگر دونوں واقعات میں اختلاف ہے۔ مثلاً عیسائی مورخین نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن نے تابوت سکینہ کے ضمن مین غلطی سے ماقبل واقعہ کو مابعد

---

[1] سر سید احمد خاں، **تہذیب الاخلاق**،(دہلی: پرویز بک ڈپو، س ن)، ص ۵.

[2] الروم: ۳۰.

[3] ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، **سر سید اور علوم اسلامیہ**، ص ۷.

کے واقعہ میں شامل کر دیا گیا ہے اور غلطی سے جدعون کے لشکر کے (دریا کا پانی پینے کے) واقعہ کو طالوت کے لشکر کے ساتھ واقعہ سے ملا دیا ہے۔

سر سید نے خود آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بائبل کی کتاب سموئیل پر اعتراض کر کے اس کے مضامین میں تضاد اور اختلاف دکھایا ہے اور مسیحی علماء کے اعترافات پیش کئے ہیں۔[1]

سر سید نے خود اپنی اس تفسیر میں عیسائی مشنریز کے اعتراضات کے جواب دیئے جو انہوں نے قرآن، حدیث اور رسالت محمدی پر کئے تھے۔ اس زمانے میں زیادہ تر جن پہلوؤں پر زبردست تنقیدات ہوئیں ان میں جہاد، غلامی، تعدد ازدواج، پردہ، طلاق، حج، سود، معراج اور جنت و دوزخ وغیرہ خاص طور پر زیادہ اہم ہیں۔ مثلا

کہا گیا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ میل جول سے منع کرتا ہے اور جبرا تلوار کے زور پر پھیلا ہے تو سر سید نے سورۃ البقرۃ کی آیت " **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ** "[2] کے ضمن میں تصورِ جہاد پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے یہاں پر انجیل کی تعلیم سے قرآن کریم کا موازنہ کر کے مؤخر الذکر کو مطابقِ فطرت ثابت کیا ہے اور اسلام میں عفو و درگزر کی تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے تلوار اُٹھانے کی احاجت و ضرورت اور اس کی حدود بیان کی ہیں۔ 3

## غیبیات اور معجزات کی عقلی توجیہات:

گذشتہ صدی میں سائنس کے غلبہ کے نتیجے میں برصغیر کو عقل اور تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنے کا رجحان پیدا ہوا تھا اس لیے سر سید نے قرآن کریم کے حقائق اور معجزات و غیبیات کی عقلی توجیہات پیش کیں تاکہ روشن خیال لوگوں کے نزدیک قرآنی آیات کو اس انداز سے پیش کیا جائے تاکہ اُن کی عقل بآسانی قبول کر سکے۔ مثلا ملائکہ کے وجود، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے، انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات، جنات، فرعون کی غرقابی، معراجِ جسمانی جیسی کئی مثالیں ہیں۔

اس کے ضمن میں اپنا اصول "ورک آف گاڈ" اور دوسرا اصول "ورڈ آف گاڈ" کبھی مختلف نہیں ہو سکتا۔ مثلا

" **وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ** "[4]

---

[1] ایضاً، ص ۶۵.

[2] البقرۃ:۱۸۶.

3 سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، (لاہور: قاسم شہزاد پرنٹرز، ۲۰۱۰ء)، ج ا، ص ۲۱۸۔ ۲۲۷.

[4] التوبۃ:۷۲.

CC BY

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان:

" وَعَدَ اللّٰہُ الْمُنَافِقِیْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْکُفَّارَ نَارَ جَہَنَّمَ " [1]

اب سر سید کی شاذ ترجیحات کا جائزہ لیا جائے گا جو کہ ان کے تفسیر میں بیان کی ہیں جن سے ان کے مطالعہ مسیحیت کے اسلوب کی مزید ترجمانی ہوتی ہے۔

## تفسیر القرآن کی شاذ روایات:

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> "وہ (اللہ) خود اپنے کو نیچری کہتا ہے۔ پھر اگر ہم بھی نیچری لیں تو اس سے زیادہ فخر ہے۔ لا تبدیل لخلق اللہ کی تفسیر میں بیضاوی نے لکھا ہے۔ لا یقدر خدا ان لغیرہ یعنی کسی کا مقدور نہیں کہ اس کو بدل دے۔ نیچر خدا کا دین ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ مذہب اسلام ان بندشوں کے توڑنے کو آیا تھا جو فطرت یا نیچر پر لوگوں نے باندھی تھیں۔"[2]

## رویت باری تعالیٰ:

اس میں سر سید نے اس تفسیر میں بیان کیا ہے:

> "مرنے کے بعد مؤمنین و موحدین جب اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اس کے لیے کوئی رنگ ڈھنگ نہ کوئی حالت ہو گی، نہ صورت، نہ بصر، نہ آمنا سامنا ہو گا، اور محض (ھو) کا مقام ہو گا۔"[3]

## مسئلہ جبر و قدر:

قرآن کی جتنی بھی آیات پر علمائے متقدمین نے انسان کے مختار یا مجبور ہونے پر بحث چھیڑی ہے وہ سراسر غلط ہے اور لکھتے ہیں:

> "قرآن میں جن باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے مثلا: ہم نے کیا، ہم نے مینہ برسایا، ہم نے درخت اگائے، ہم نے دریا بہائے، ہم نے سمندر میں جہاز تیرائے، ہم نے اُڑتے ہوئے جانور ہوا میں تھمائے، پس اس طرز کا کلام سے واسطوں کا درحقیقت درمیان میں نہ ہونا، یا اس سے کا ان اَفعال میں مجبور یا مختار ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی عظمت و شان اور اپنے علۃ العلل یعنی تمام

---

[1] التوبۃ:۶۸.

[2] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، ج۱، ص۲۰.

[3] محمد اسماعیل پانی پتی، **مقالات سرسید**، ص۵.

چیزوں کی اخیر علت یا خالق ہونے کا بندوں پر اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے اس قسم کے کلام سے انسان کا اپنے اَفعال میں مجبور یا مختار ہونے کا استنباط و استدلال کرنا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایسا داخل التفسیر القول بمالا یرضی قائلہ کے لیے ہے۔"[1]

**نبوت میں ولادتِ عیسیٰ:**

نبوت کے بارے میں سر سید کا نظریہ ہے:

"نبوت در حقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیأ میں بمقتضائے اپنی فطرت کے مثل دیگر قوتی انسان کے ہوتی

ہے اور جس میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے۔"[2]

سر سید نے اس تعبیر میں بیان کیا ہے کہ قرآن میں اس سے متعلقہ کوئی بحث نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے۔ جب قرآن نازل ہوا۔ اُس وقت دو فرقے تھے ان میں ایک فرقہ اس بات کا قائل تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں یعنی ناجائز طور پر۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ وہ خدا اور خدا کے بیٹے اور ثالث اور ثلاثۃ ہیں۔ قرآن مجید نے ان دونوں فرقوں کے اعتقاد کو ردّ کر دیا اور حضرت مسیح کے مقدس روح ہونے پر گواہی دی اور اس بات کو جھٹلا دیا کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ثالث الثلاثۃ ہیں۔ وہ انسانوں کی مثل خدا کے بندے ہیں۔[3]

**نظریۂ وفات:**

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق سر سید نے تفسیر میں واضح کیا ہے:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے نہ سنگسار کر کے قتل کیا، نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ و مرتبہ کو مرتفع کیا۔"[4]

**معجزات عیسیٰ علیہ السلام۔ تکلم فی المہد:**

سر سید، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

[1] سر سید احمد خان، **تفسیر القرآن**، ج ۱، ص ۹.

[2] ایضاً، ج ۱، ص ۳۱.

[3] سر سید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج ۲، ص ۲۴.

[4] ایضاً، ص ۲۴.

cc BY

"قرآن کریم میں ہے (وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا)[1] اور سورۃ المائدۃ میں کہ (تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا)[2] سورۃ مریم میں ہے (فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا)[3] ان آیتوں میں صرف لفظ مہد کا ہے جس پر بحث ہو سکتی ہے مگر مہد سے صرف صغر سنی کا زمانہ مراد ہے، نہ وہ زمانہ جس میں کوئی بچہ بمقتضائے قانونِ قدرت کلام نہیں کر سکتا۔"[4]

اور اسی طرح سے قرآن کی آیات سے کہیں بھی ثابت نہیں ہے کہ حسبِ فطرتِ انسانی کوئی بچہ کم سنی میں کلام نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں الفاظ ہیں:

**" كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا "** [5]

اس میں لفظ کانَ کا مطلب ہے کہ ایک ایسے سے ہم کیونکر کلام کر دیں جو مہد میں تھا یعنی کم عمر لڑکا ہماری گفتگو کے لائق نہیں جب کہ اس کے ہونٹ سے ابھی دودھ بھی نہیں سوکھا تھا۔[6]

## نزولِ مائدہ:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

**" رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ "** [7]

سر سید اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ نزول مائدہ کی نسبت کو جو بھی قصے کہانیاں ہمارے مفسرین نے لکھے ہیں وہ سب بے بنیاد اور جھوٹ ہیں۔ قرآن میں ان کی طرف کوئی بھی اشارہ نہیں پایا جاتا۔[8]

## اخبار عن الغیب:

سر سید احمد خان آل عمران کی آیت ۴۹ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] آل عمران:۴۶.

[2] المائدۃ:۱۱۰.

[3] مریم :۲۹۔۳۰.

[4] سر سید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج ۲، ص ۱۵۰.

[5] مریم:۲۹.

[6] سر سید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج ۲، ص ۳۱۔۳۲.

[7] المائدۃ:۱۱۴.

[8] احمد خاں، سر سید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج ۲، ص ۱۶۵.

cc BY

> "ہمارے مفسرین نے اس کی تفسیر رجیب وغریب کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جھٹ پٹ مخفی باتوں کی اطلاع دے دیا کرتے تھے کہ تم نے کیا کھایا، کہ تمہاری ماں نے یہ چھپا کر رکھا ہے کیوں مفسرین ایسی بے ہودہ باتیں لکھ دیا کرتے تھے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود اور علمائے یہود طرح طرح سے لوگوں کا مال کھاتے تھے۔"[1]

**مردوں کو زندہ کرنا:**

قرآن کریم میں ہے:

**" وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ "** [2]

اور سورۃ المائدۃ میں فرمایا:

**" وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي "** [3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اندھوں کو آنکھوں والا اور کوڑھیوں کو چنگا کرتے ہتے اور مردوں کو جِلا دیتے تھے اور حرف تازہ مردوں ہی کو نہیں جِلاتے تھے بلکہ ہزاروں برس کے پرانے مردوں کو بھی جِلا دیتے تھے۔[4]

**اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا:**

سرسید احمد خان نے اپنی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے جو بھی اس سے مطابق آیات ہیں:

> "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام قیدیں توڑ دیں تھیں اور تمام لوگوں کو کوڑھی ہوں یا اندھے یا لنگڑے ہوں یا سیدھے ٹھنگے ہوں یا نسبی والے ہوں یا اجالے والے سب خدا کی رحمت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اور کسی کو عبادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ سے نہیں روکا جا سکتا۔ پس یہی ان کا کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرنا یا اُن کو ناپاکی سے بری کرنا جہاں جہاں انجیل میں کوڑھیوں کے اچھا کرنے کا ذکر ہے اس کا قرآن کی آیتوں کے مطابق یہی مطلب ہے۔"[5]

**تائید روح القدس:**

---

[1] ایضاً: ص ۱۶۴.

[2] آل عمران: ۴۹.

[3] المائدۃ: ۱۱۰.

[4] سرسید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج ۲، ص ۱۵۹.

[5] ایضاً، ص ۱۶۳.

سورۃ البقرۃ میں ہے:

" وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي " [1]

اور سورۃ المائدۃ میں فرمایا ہے:

" إِذْ أَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ " [2]

یہ آیتیں کچھ زیادہ تفسیر کی محتاج نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام تائید روح القدس میں اگر بحث ہو سکتی ہے تو صرف حقیقت روح القدس میں۔

سر سید جبرائیل علیہ السلام کو تو شے واحد یقین کرتے ہیں۔ مگر اس کو خارج از خلقتِ انبیاء مخلوق جداگانہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس بات کے قائل ہیں خود انبیاء علیہم السلام کی خلقت میں جو ملکہ نبوت ہے وہی روح القدس اور وہی جبرائیل ہے۔ [3]

## خلقِ طیر:

سر سید اس معجزہ کا ذکر اپنی تفسیر میں اس طرح سے کرتے ہیں:

"( أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ )[4] اس کے معنٰی ہے کہ مٹی سے پرندوں کی مورتیں بناتا ہوں پھر ان میں پھوکوں گا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے پرند ہو جائیں، مگر یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سوال کے جواب میں کہی تھی مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کیاوہ مورتیں جاندار بھی ہو جاتی اور اُڑنا بھی شروع کر دیتی۔

سر سید نے لکھا کہ وہ بچپن کے کھیل میں مٹی سے مورتیں بناتے اور پوچھنے والے سے کہتے کہ جب وہ پھونک مارے گے تو وہ پرند ہو جائیں گے مگر یہ بات قرآن سے ثابت نہیں کہ کیاوہ پرند بن بھی جاتے۔ پس یہ ہنسی مذاق کی باتیں تھیں۔ [5]

سر سید کی اس تفسیر پر مختلف حلقوں کی طرف سے سخت تنقید اور مخالفت کی گئی۔ یہاں تک کہ تکفیر بھی کی گئی۔ سر سید کی اس طرح کی غلطیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبداللہ سندھی لکھتے ہیں:

> "سر سید کی عملی و علمی تحریک میں سمجھدار آدمی کے لیے چند نقص نمایاں معلوم ہوتے تھے اس کے متعلق جب کبھی سر سید سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا جواب دینے سے گریز کیا۔ ان کا ایک

---

[1] البقرۃ:۸۷.

[2] المائدۃ:۱۱۰.

[3] سر سید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج۲، ص۱۵۶.

[4] آل عمران:۴۹.

[5] اسر سید احمد خاں، **تفسیر القرآن**، ج۲، ص۱۵۶.

CC BY

مہمل سا لطیفہ ہے کہ جب تالاب بھر جائے گا تو پانی باہر نکلنے کے لیے اپنا راستہ خود تلاش کرے گا۔
سر سید اپنے نوجوان کو یورپین سائنس سے متعارف کروانا چاہتے تھے۔ اُن کو اعتماد تھا کہ جو غلطیاں
رہ جائیں گی ان کو ہمارے نوجوان درست کر لیں گے"[1]

سر سید نے اپنی تفسیر میں عقائد پر جو عقلی دلائل دیئے ہیں ان پر یقین کرنے سے ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں کیوں کہ سر سید قرآن کو سمجھنے کے لیے صرف قرآنی آیات سے ہی استشہاد کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک حدیث قرآن کی شارح ہے اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث سے مدد لینا پڑتی ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود سر سید احمد خان انیسویں صدی کی وہ اہم شخصیت ہیں جن کے مختلف پہلو تھے۔ ان کی مصلحانہ کوششوں سے قطع نظر ان کی علمی خدمات کی کمیت و کیفیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سر سید نے اپنی تفسیر کو کبھی بھی عوامی بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ انہوں نے اسے صرف اسی طبقہ تک محدود رکھنے کے خواہش مند تھے اور درحقیقت جو ان کے مخاطب تھے۔

اس بارے میں ایک واقعہ اہم ہے کہ ایک دفعہ ایک مولوی نہایت معقول اور ذی استعداد ان کے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ کی تفسیر دیکھنے کا خواہش مند ہوں۔ تو سر سید نے جواب دیا کہآپ کو خدا کی وحدانیت اور رسول خدا کی رسالت پر یقین ہو گا؟ انہوں نے کہا: الحمد للہ۔ پھر کہا کہ کیا آپ حشر و نشر، عذاب و ثواب اور بہشت و دوزخ پر جو کچھ قرآن میں قیامت کے نسبت بیان ہوا ہے، سب پر یقین ہے؟ تو انہوں نے پھر کہا: الحمد اللہ۔ تو پھر سر سید نے جواب دیا کہ بس پھر آپ کو میری تفسیر کی ضرورت نہیں یہ صرف ان لوگوں کے لیے جو مذکورہ بالا عقائد پر پختہ یقین نہیں رکھتے اور ان پر معترض ہیں۔[2]

حالی نے "تفسیر القرآن" کے باون ایسے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے علماء اسلام کو اختلاف ہے۔ لیکن ان میں سے اکتالیس مسائل ایسے ہیں علمائے کبار میں کوئی نہ کوئی بزرگ سر سید کے ہم خیال ہیں۔ گیارہ مسائل کا علم نہیں۔ کوئی ان میں سر سید کا ہم خیال تھا یا نہیں۔ حالی ان مسائل کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر غور کیا جائے تو سر سید نے شاید اس کے سوا کچھ نہیں لکھا۔ کہ جو صداقتیں اہل اسلام کی تعصبات میں فرداً فرداً صرف ضبط تحریر میں آئی تھیں اور اکابر و علما کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی۔ سر سید کی مخالفت کی ایک وجہ تو مسئلہ تکفیرِ اہلِ قبلہ کا ہے جو اکابر فقہاء میں مسلم تھا اور جس کے بغیر ذہنی آزادی اور ترقی و اصلاح کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اس کی اہمیت ہر کوئی عالم نہیں سمجھ سکتا۔ اس کے علاوہ دوسری مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ عام تفسیروں اور سر سید کی تفسیر میں بڑا فرق

---

[1] مولانا عبید اللہ سندھی، **المقام المحمود**، (لاہور: مکی دار الکتب، ۲۰۰۴ء)، ج ۴، ص ۲۰۵.

[2] ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی، **سر سید اور علوم اسلامیہ**، ص ۶۵.

CC BY

> ہے۔ سرسید تکفیر کے سزاوار نہ سہی لیکن ان سے جمہور علماء کا اختلاف قدرتی تھا۔ آج اس تفسیر کو شائع ہوئے تقریبا ساٹھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن بعض ایسے علماء نے کئی اہم مسائل میں سرسید کی راہ اختیار کر لی ہے۔"[1]

الغرض سرسید کے مطالعہ مسیحیت میں نئے رُجحانات متعارف کروائے۔ اگرچہ انہوں نے قدیم صحف کی روشنی میں تفسیر لکھی۔ مسیحی روایات پر نقد بھی لکھا۔ لیکن عقلیت پسندی کے خوگر سرسید نے معذرت خواہانہ، مرعوبانہ اور تطبیقانہ اسلوب اپنایا اور معتزلہ کے عقائد کے مطابق اپنے جدید خیالات سے جو بات عقائد کے موافق ملتی وہ اسے قبول گردانتے۔

سرسید کی ان تمام خوبیوں اور جملہ کارناموں کے باوجود یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تجدد کی بنیاد آپ نے ہی رکھی۔ قرآن وحدیث کی معذرت خواہانہ اور مرعوبانہ ذہن کے ساتھ تعبیر و تشریح کا فتنہ آپ ہی کے تفسیری مباحث سے شروع ہوا۔

[1] شیخ محمد اکرم، **آبِ کوثر**، ص ۱۳۴۔۱۳۵۔